کردارسازی کے عناصر (مسلم مفکرین کی آراء کا جائزہ)

The Character Building Elements
(A Review of Muslim Scholars Views)

Hina Sajjad

Abstract

Human being is an indispensable part of the world of existence and there is a deep connection between his/her character and human society. It is important for human beings to know their purpose of existence, the nature of their relationship with the universe, and the kind of behavior in this world. Islam has guided Humans well in this respect and Muslim thinkers have always discussed the constituent elements of human character building. Muslim scholars, like *Imam Ghazali* in the 5th century AH, *Khawja Nasīr al-Din* after him, and later *Allama Muhammad Iqbal*, have discussed internal and external dimensions of Human character in a synthetic way, have identified causes and elements of its internal and external reflections and the diseases and remedies associated with them.

Key Words: Character, Building, elements, *Imam Gazali*, *Khawja Nasīr*, Allama Iqbal, Analysis.

خلاصہ

انسان عالمِ ہستی کا ایک لازمی حصہ اور انسانی کردار کا اس کے سماج کے ساتھ گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ انسان کے لئے اپنے مقصد حیات کو تلاش کرنا اور یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کائنات کے ساتھ اس کا تعلق کس طرح کا ہے اور اسے اس دنیا میں کس قسم کا روّیہ اختیار کرنا ہے؟ اس حوالے سے اسلام نے انسان کی بہترین رہنمائی کی ہے اور مسلم مفکرین نے ہمیشہ انسانی کردار کے تشکیل دہندہ عناصر پر بحث کی ہے۔ پانچویں صدی میں امام غزالیؒ نے، ان کے بعد خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے اور پھر علامہ محمد اقبالؒ جیسے مسلمان دانشوروں نے انسانی کردار کے اندرونی وبیرونی پہلوؤں کو ہم آہنگ کرکے پیش کیا ہے اور اس کی داخلی و خارجی کیفیتوں کے اسباب وعناصر بیان کیے ہیں۔ اس مقالہ میں ان آراء کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: کردار، سازی، عناصر، امام غزالی، خواجہ نصیر، علامہ اقبال، جائزہ۔

کردار کی اہمیت

اس میں شک نہیں کہ انسان کی زندگی ایک نقطہ آغاز رکھتی ہے مگر انسان عالمِ ہستی کی تشکیل کا ایک حصہ اور اپنی دنیا اور سماج کی ایک بنیادی اکائی ہے۔ اس لیے ہمیں دنیا میں اپنے مقصد حیات کو تلاش کرنا ہو گا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کائنات کے ساتھ ہمارا تعلق کس طرح کا ہے؟ کائنات میں ہمارا مقام کیا ہے؟ اور ہم دنیا میں کس قسم کا روّیہ اختیار کریں تاکہ یہ کائنات میں ہمارے مقام سے مناسبت رکھتا ہو؟ نیز یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خود انسان کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ اس سلسلے میں اسلام نے انسانی کردار کو سنوارنے اور معیاری بنانے میں بہترین رہنمائی کی ہے: لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ" (4:95) ترجمہ: "بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔" دراصل، مادہ اور روح کے عناصر کے امتزاج اور اس بہترین اعتدلال سے بہترین انسانی کردار تشکیل پاتا ہے۔ پھر خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم حضرت محمد ﷺ کو انسانی کردار کے لئے بطور بہترین نمونہ پیش کیا ہے: لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ (21:33) یعنی: "بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار میں بہترین نمونہ ہے۔" بنابریں، اسلام میں انسانی کردار کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور کردار سازی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان مبارکہ ہیں:

1. انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق[1] ترجمہ: "مجھے اعلیٰ کردار کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے"
2. ان من أحبکم الیّ و اقربکم منی مجلساًیوم القیامۃأحاسنکم اخلاقاً[2] یعنی: "روزِ جزا تم میں سے میرے سب سے قریب وہ ہو گا جس کا کردار بہترین ہو گا۔"
3. انا زعیم ببیت فی ربض الجنۃ لمن ترك المراء ، و ان کان محقاً، و ببیت فی وسط الجنۃ لمن ترك الکذب، و ان کان مازحاً، و ببیت فی أعلی الجنۃ لمن حسن خلقہ[3] یعنی: "میں جنت کے احاطہ میں ایک گھر کا وعدہ کرتا ہوں انسان کے لئے جو لڑائی جھگڑا نہ کرئے حتیٰ کہ وہ صحیح ہو، ایک گھر جنت کے درمیان میں اس انسان کے لئے جو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور جنت میں اعلیٰ مقام پر اس انسان کے لئے جو اپنا کردار اچھا کرئے۔"
4. ما من شئی اثقل فی میزان المؤمن یوم القیامۃ من حسن الخلق [4] یعنی: "روزِ جزا ایک مومن کے پلڑے میں اچھے کردار سے زیادہ بھاری کچھ نہیں ہوگا"

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تکمیل، دراصل، اس کے اعلیٰ کردار کی تشکیل سے ہی ممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلم فکر میں "انسانی کردار"کا موضوع بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مسلم فکر میں اس موضوع پر کام نہ صرف قلمی طور پر ہوا ہے بلکہ عملی طور پر بھی اس موضوع پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

اس حوالے سے مسلم فکر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انسانی کردار پر جو کام یہاں ہوا اس کی بازگشت مغربی فکر میں اٹھارویں اور بیسویں صدی میں ملتی ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ کے نزدیک انسانی کردار میں بنیادی اہمیت "حواس خمسہ" کو حاصل ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ: "میں نے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: احبس حواسك یعنی: "اپنے حواس کو قابو میں رکھو۔" حواس کو قابو میں رکھنا مکمل مجاہدہ ہے۔ کیونکہ تمام علوم کا حصول انہی پانچ دروازوں سے حاصل ہوتا ہے ا۔ دیکھنے سے ۲۔ سونگھنے سے ۳۔ چکھنے سے ۴۔ سننے سے ۵۔ چھونے سے۔یہ پانچ حواس علم وعقل کے سپہ سالار ہیں۔ اول چار کے لئے تو ایک مخصوص جگہ ہے لیکن پانچواں تمام بدن کے حصہ میں پھیلا ہوا ہے آنکھ جو دیکھنے کی جگہ ہے وہ خبر اور آوازوں کو سننا ہے اور زبان ذائقہ اور چکھنے کا مقام ہے وہ مزہ اور بے مزہ کو پہچانتی ہے۔ ناک سونگھنے کا مقام ہے جو خوشبو و بدبو کا ادراک کرتی ہے اور لمس یعنی چھونے کے لئے کوئی مقام خاص نہیں بلکہ تمام جسم میں اس کا دراک پھیلا ہوا ہے انسان کے تمام اعضاء میں نرمی و گرمی، سختی و سردی کا احساس ہوتا ہے کوئی علم ایسا نہیں ہے جسے انسان معلوم کرنا چاہے مگر وہ انہیں پانچ دروازوں سے ہی حاصل کرتا ہے (بجز بدیہی باتوں اور حق تعالیٰ کے الہام کے کیونکہ ان میں نہ آفت جائز ہے اور نہ ان کے لئے پانچ حواسوں کی ضرورت ہے)۔"[5]

اسی طرح ابن سینا ""انسانی زندگی پر ارادے اور جذبات کے کردار"کو نمایاں کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مضبوط قوت ارادی کے بل پر انسان اپنی کمزوریوں پر قابو پا سکتا ہے مثلاً اپنی بیماری پر فتح پا سکتا ہے لیکن اگر وہ ہمت ہار دے تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے"[6] امام رازی کا کہنا ہے کہ: "کسی بھی نظام فکر میں کردار کی نمو اور علاج کے حوالے سے جو بات ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے وہ اس کا تصور انسان ہے۔ جیسا تصور انسان اور کائنات ہوگا ویسا ہی کردار پروان چڑھے گا اور اسی لحاظ سے اس کا علاج ہوگا۔"[7] شاہ ولی اللہؒ کے مطابق: "سعادت انسان کے نفسی قویٰ کے ہم آہنگ تفاعل سے وابستہ ہے۔ تفاعل کی یہ صورت ایک مثالی حالت ہے جو تکمیل کی جانب لے جا سکتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محرکات کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں خارجی کردار کے مثبت یا منفی ہونے کا تعین کردار کے نفسی منابع سے وابستہ ہے۔ زندگی مقصدیت سے معمور ہے۔"[8]

کردار کی اہمیت کے حوالے سے ان شخصیات میں سے بعض نے حواس خمسہ پر اور بعض نے تصورات، محرکات قوت ارادی کو کردار سے منسوب کیا ہے۔ ذیل میں کردار سازی کے مسئلہ پر امام غزالی، خواجہ نصیر الدین طوسی اور علامہ محمد اقبال کے نظریات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

امام غزالیؒ اور کردار سازی

حضرت سیدنا امام غزالیؒ کی کنیت ابو حامد، لقب حجۃالاسلام اور نامِ نامی اسم گرامی محمد بن محمد بن محمد بن احمد طوسی غزالی شافعیؒ ہے۔ آپؒ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں خراسان کے ضلع طوس کے علاقے طابران میں پیدا ہوئے۔[9] اور بروز پیر ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ (۱۱۱۱ء) میں بمقام طابران (طوس) میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔[10] امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ قدرت نے اپنی تدبیر سے امور میں تصرف فرمایا ہے، مخلوق کی ترکیب میں اعتدال قائم کرتے ہوئے اس کی صورت میں حسن رکھا ہے، انسانی صورت کو اچھے قالب سے زینت دی ہے، انسان کو شکل وصورت اور مقدار میں کمی زیادتی سے محفوظ رکھا ہے، کردار کو اچھا بنانے کا کام انسان کی کوشش میں رکھا ہے انسان کو مقصدیت دیتے ہوئے کردار کو سنوارنے کی ترغیب دی ہے۔ جب کہ برا کردار زہر قاتل، جان لیوا اور ذلت ورسوائی جیسی برائیوں پر مشتمل ہے۔ آپؒ کے نزدیک برے کردار جسم وروح کی وہ بیماریاں ہیں جن سے ابدی حیات ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ باطن کی بیماریوں سے دائمی وابدی زندگی ختم ہو جاتی ہے، کوئی بھی باطن بیماریوں سے خالی نہیں ہوتا ہے اگر باطن کو اسی ہی طرح بلاعلاج چھوڑ دیا جائے تو کئی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں اور وہ غالب بھی آجائیں گی اسی لیے ہر انسان کے لئے لازمی ہے کہ وہ کردار کی ان بیماریوں کی پہچان، وجوہات، اور اسباب کو پہچاننے اور ان کے علاج کی انتھک کوشش کرے۔[11] امام غزالیؒ کردار کے حوالے سے احیاء العلوم میں مختلف شخصیات کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1) حضرت سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں ”جس انسان کا کردار بُرا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔“
2) حضرت سیدنا وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں بد کردار انسان کی مثال اس ٹوٹے ہوئے گھڑے کی طرح ہے جو قابلِ استعمال نہیں رہتا۔“
3) حضرت سیدنا ابو بکر کتّانی فرماتے ہیں کہ تصوف حسنِ کردار کا نام ہے تو جو انسان تمہارے حسنِ کردار میں زیادتی کا باعث ہے گویا اس نے تمہارے اندر تصوف کو بڑھایا ہے۔“[12]
4) حضرت سیدنا علی المرتضیؓ کا فرمان ہے ”حسنِ کردار تین چیزوں کا نام ہے۔

۱۔ حرام سے اجتناب ۲۔ حلال کا حصول ۳۔ اہل و عیال پر خرچ میں کشادگی کرنا۔"

5) 5۔ حضرت سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں " حسنِ کردار، خوش مزاجی، مال خرچ کرنے اور ایذا رسانی سے باز رہنے کا نام ہے۔"

6) حضرت سیدنا ابو عثمان مغربیؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا حسنِ کردار ہے۔ "

7) حضرت سیدنا ابو بکر محمد بن موسیٰ واسطیؒ فرماتے ہیں" حسنِ کردار یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی خوب معرفت کی وجہ سے نہ کسی سے لڑے اور نہ ہی کوئی اس سے لڑے۔"

8) حضرت سیدنا سہل بن عبداللہ تستریؒ سے کسی نے پوچھا "حسن کردار کیا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا حسنِ کردار کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا جائے، انتقام نہ لیا جائے، ظالم پر شفقت و مہربانی کی جائے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔"

ان تعریفات میں ظاہری و باطنی کردار کی برائیوں اور اوصاف کو ہر ایک نے اپنے اپنے تجربے اور علم کے مطابق پیش کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں یہ اور اس طرح کے دیگر جو اقوال ہیں یہ سب حسنِ کردار کے ثمرات و نتائج ہیں۔ حسنِ کردار کی ذات سے ان کا کوئی تعلق نہیں علاوہ ازیں جہاں تک ثمرات و نتائج کی بات ہے تو مکمل طور پر ان کا احاطہ بھی نہیں کیا گیا، آپؒ کے نزدیک حقیقت حال سے پردہ اٹھانا مختلف اقوال کو ذکر کرنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔[13]

حُسنِ کردار اور جِہاتِ ثلاثہ

آپؒ کے نزدیک حسنِ کردار کبھی تو طبعی اور فطری طور پر ہوتے ہیں اور کبھی عادت ڈالنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور کبھی نیک لوگوں کو دیکھنے اور ان کی صحبت اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ایک طبعیت دوسری طبعیت سے خیر و شر دونوں حاصل کرتی ہے اس لیے جس شخص میں تین جِہات جمع ہو جائیں یعنی طبعاً، عادتاً اور اکتساباً فضیلت کو پہنچا ہو تو یہ شخص انتہائی درجے کی فضیلت کا حامل ہے اور جس میں ان تین جِہات کا اختلاف ہے تو وہ دو مرتبوں کے درمیان ہوتا ہے ہر ایک کا قرب و بعد اس کی صفت و حالت کے اعتبار سے ہے۔[14]

۱۔ خَلق: آپؒ جسم انسانی اور اس کے نتیجے میں ظاہری اعضاء سے پیش ہونے والے اعمال کے لئے خَلق کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

۲۔ خُلق: آپؒ باطنِ انسانی اور اس سے منسلک مختلف قوتوں کو خُلق کا نام دیتے ہیں۔[15]

۳۔ خُلقِ کردار کے ارکان:

ا۔ قوتِ علم ۲۔ قوتِ غضب ۳۔ قوتِ شہوت ۴۔ قوتِ عدل[16]

۴۔ خُلقِ کردار کے اصول:

ا۔ حکمت ۲۔ شجاعت ۳۔ عفت ۴۔ عدل[17]

خُلقِ کردار کی مختلف حالتوں میں پیدا ہونے والی مختلف صفات

خواہشات کی پیروی کرنے سے انسان میں بے حیائی، خباثت، اسراف، کنجوسی، ریاکاری، رسوائی، پاگل پن، بے ہودگی، حرص و لالچ، خوشامد، حسد، کینہ اور شماتت جیسی بری صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ غصے کو اپنے اوپر سوار کرنے سے خُلق میں نا مناسب امور پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً چھچھورا پن، تکبر، گھمنڈ، خود پسندی، گالی گلوچ، حقیر جاننا اور ظلم جیسی برئی صفات جنم لیتی ہیں۔ الغرض خواہش و غصے کی پیروی کرنے سے انسان میں مکر و فریب، حیلہ بازی، مکاری، دغا بازی، بے باکی، اور فحش گوئی جیسی برئی عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔ خواہشات کی پیروی سے بچنے اور انہیں اعتدال پر رکھنے کے سبب اس میں پاکدامنی، قناعت، نرمی، زہد و تقویٰ، خوش مزاجی، حیا، ظرف، دوسروں کی مدد اور ان جیسی دیگر اچھی صفات پیدا ہو جاتی ہیں، غصے پر قابو پانے اور اسے ضرورت تک محدود کرنے کے سبب اسے شجاعت و وقار، دلیری، ضبط، نفس، صبر، بردباری، برداشت، درگزر نیکیوں پر استقامت جیسی عظیم نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔[18]

خُلقِ کردار میں خیالات واثرات کے دخول ونتائج

خُلقِ کردار (باطن) میں ہر وقت آنے والے نئے نئے اثرات کا داخلہ یا توظاہر یعنی حواسِ خمسہ سے ہوتا ہے یا باطن سے جیسے خیال، خواہشات، غضب، اور انسان کی اصل خلقت سے مرکب اخلاق، کیوں کہ جب انسان حواس کے ذریعے کسی چیز کا ادراک کرتا ہے تو اس سے دل میں ایک اثر پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان وہ اثر قبول کرنے سے خود کو بچالے تو باطن میں حاصل ہونے والے خیالات باقی رہتے ہیں اور خیالات بدلتے رہتے ہیں اور جب خیالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں تو دل بھی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ دل کا مسلسل بدلتے رہنا اور اثر قبول کرتے رہنا ان اسباب کی بنا پر ہوتا ہے۔ باطن میں حاصل ہونے والے اثرات میں سب سے خاص اثر خواطر (خیالات) ہیں اور خواطر سے آپ کی مراد دل میں پیدا ہونے والے افکار واذکار ہیں اور افکار واذکار سے مراد دل کا نئے سرے سے یا یاد دہانی کے طور پر علوم کا ادراک کرنا ہے اور انہیں خواطر اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ اس وقت آتے ہیں جب دل ان سے غافل ہو جاتا ہے اور خواطر ہی ارادوں کو حرکت دیتے ہیں کیوں کہ نیت، عزم اور ارادہ دل میں

موجود افعال کی فکروں کے بعد ہی ہوتا ہے تو افعال کی بنیاد خواطر ہیں۔ خاطر سے رغبت کو حرکت ملتی ہے، رغبت سے عزم کو، عزم سے نیت کو اور نیت سے اعضاء کو تحریک ملتی ہے۔ رغبت کو متحرک کرنے والے خواطر کی دو اقسام ہیں جو خیر و شر کی طرف بلاتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں خواطر مختلف ہیں اس لیے ان دونوں کے الگ الگ نام رکھنے کی ضرورت ہے۔ قابلِ تعریف خاطر کو **"الہام"** کہا جاتا ہے۔اور قابلِ مذمت خاطر کو **"وسوسہ"** کہا جاتا ہے۔ آپؒ کے نزدیک ہر حادث کے لئے محدث (یعنی پیدا کرنے والے) کا ہونا ضروری ہے اور جب حوادث مختلف ہیں تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کے اسباب بھی مختلف ہوں گے۔[19]

خُلقِ کردار میں معلومات کے تعلق کی اہمیت

آپؒ کے نزدیک بظاہر کوئی چیز پکڑنے کے لئے تین امور درکار ہوتے ہیں مثلاً :

1. جس سے پکڑا جائے جیسے ہاتھ۔
2. وہ شے جسے پکڑا جائے جیسے تلوار۔
3. تلوار اور ہاتھ کا باہم ملنا یعنی تلوار کا ہاتھ میں آنا۔

جس طرح ان امور سے حاصل ہونے والی کیفیت کو ''قبضہ'' کہتے ہیں ایسے ہی معلومات کا دل میں منقش ہو جانا ''علم'' کہلاتا ہے۔ بعض اوقات کسی شے کی حقیقت پائی جاتی ہے اور دل بھی موجود ہوتا ہے لیکن علم حاصل نہیں ہوتا کیونکہ علم ''اشیا کی حقیقت دل میں نقش ہو جانے'' کو کہتے ہیں۔

آئینہ میں خُلقِ کردار کی صورتیں ظاہر نہ ہونے کی وجوہات

آپؒ کے نزدیک پانچ وجوہات کی بنا پر آئینہ میں اشیاء کی صورتیں ظاہر نہیں ہوتیں:

1) خود آئینہ میں کمی ہو مثلاً لوہے کو بغیر پالش وغیرہ کے بطور آئینہ استعمال کیا جائے۔
2) لوہا اگرچہ پالش وغیرہ کرلیا جائے لیکن وہ خود بے حد خراب ہو۔
3) شے خود آئینہ کے پیچھے ہو۔
4) آئینہ اور اس کے سامنے موجود شے کے درمیان پردہ حائل ہو۔
5) مطلوبہ شے کی سمت معلوم نہ ہو کہ اس کی طرف آئینہ کو پھیرا جائے۔[20]

محرکات کی اقسام

امام غزالیؒ کے نزدیک محرکات کی مختلف اقسام ہیں۔

الف- انسانی محرکات طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے

انسانی طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے آپؒ انہیں بہیمیہ، سبعیہ، شیطانیہ اور ربانیہ میں تقسیم کرتے ہیں۔

ا۔ بہیمیہ سے مراد جانوروں جیسے میلانات جیسے معدے اور جنس کی بھوک مٹانا۔ اس سے جو استعدادت اور اخلاقی عادات بنتی ہیں ان میں بے حیائی، خباثت، فضول خرچی، بخل، فحش گوئی، حرص ولالچ اور خوشامد وغیرہ

۲۔ سبعیہ سے مراد درندوں جیسے میلانات ہیں جیسے بغض وعدوات۔ اس سے غصہ، غلبہ اور استحصال جیسی عادتیں بنتی ہیں۔

۳۔ شیطانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں جو بہیمیہ اور سبعیہ کے یکجاء ہونے سے بنیں جن سے حیلہ، مکر، فریب اور دغا بازی جیسے اخلاق پروان چڑھتے ہیں۔

۴۔ ربانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں جن کے مطابق انسان اپنے اندر الوہی صفات کا طلب گار بنے جیسے کبر، فخر، مدح پسندی، حب جاہ اور حب بقاء دوام اور اُس کے ساتھ ہی حب علم وحکمت اور یقین۔[21]

ب- انسانی محرکات، بقاء کے لحاظ سے

امام غزالیؒ کے نزدیک انسانی محرکات کی ایک تقسیم اس کی بقاء کے حوالے سے ہے جس کی تین صورتیں ہیں۔

ا۔ میلانات فردیہ

جن پر انسانی بقاء کا انحصار ہے یعنی طعام اور جنس اور اس سے متفرع ہونے والے دوسرے میلانات جیسے حب دنیا، حب جاہ، اور حب ملکیت۔

۲۔ میلانات اجتماعیہ

میلانات اجتماعیہ جیسے خاندان، قبیلہ اور معاشرہ میں مل جل کر رہنا یہ میلانات بقاء فرد کے بنیادی میلان کے بعد دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔

۳۔ میلانات عالیہ:

میلانات عالیہ جن میں حب خیر، علم جمالیات، دینی حقائق وغیرہ شامل ہیں جو زندگی میں حسن اور کمال کا لوازمہ ہیں۔[22]

محرکات کی خصوصیات

امام غزالیؒ جیسے بنیادی و فطری محرکات پر تفصیل روشنی ڈالتے ہیں اسی طرح ان محرکات کے فضائل و رزائل اور اقسام وانواع پر بھی تفصیلی بحثیں کرتے ہیں۔

ا۔ حکمت اور اس کی افراط و تفریط (یعنی مثبت و منفی پہلو)

حکمت کے ماتحت حسن تدبیر جودت ذہن، نقایۃ الرائی اور صواب ظن کا اندراج ہوگا۔

حسن تدبیر: سے مراد یہ ہے کہ عظیم الشان نیکیوں اور نیک اغراض کے حصول میں جو تدبیر منزل سیاست مدینہ دفاع دشمن اور رفع شر کے معاملات انسان سے متعلق ہیں یا دوسروں سے استنباط نتائج کے ذریعہ ایسی صائب رائے قائم کرو جو افضل اور اصلح ہو غرض یہ کہ ہر ایک مہتم بالشان امر میں یہ بات حاصل ہو لیکن اگر معاملہ حقیر اور آسان ہو تو اس کے متعلق جو غور و فکر ہوگا اسے حسن تدبیر نہ کہیں گے اسے محض اندازہ کہہ دینا کافی ہوگا۔

جودت ذہن: یہ ہے کہ جب رائیں مشتبہ ہو جائیں اور ان میں بحث و نزاع در پیش ہو تو درست فیصلہ دینے کی قابلیت حاصل ہو۔

نقایۃ رائے: کا مفہوم ہے پیش آمدہ امور کے بارے میں جو جو اسباب و بواعث دل پسند نتائج بر آمد کرنے والے ہوں ان پر تیز دستی سے پہنچ کر قائم ہو جائے۔

صواب ظن: یہ ہے کہ بغیر دلائل لگانے کے مشاہدات پر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی موافقت کی جائے۔ مکاری کے تحت حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری کا اندراج ہوگا اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حد سے بڑھی ہوئی عقلمندی کے باعث کسی کام کے سرانجام دینے میں ایسے طریق کار سے کام لے جن کو وہ اچھا سمجھتا لیکن حقیقت میں وہ اچھے نہ ہوں البتہ ان میں نفع خاصہ ہو اب اگر نفع خسیس ہو تو اسے فریب کاری کہیں گے حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری میں فرق صرف ذلت اور شرافت کا ہے۔

سادہ لوحی: کے ماتحت نا تجربہ کاری حماقت جنون کے نام آئیں گے۔

نا تجربہ کاری: یہ شخص وہ ہے جس کو دنیا کے وسیع سمندر میں اتر کر اس کے معاملات کے تجربوں کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ سلامت ذہن کے باوجود عملی باتوں میں بالجملہ قلّت تجربہ کا نام ہے اگر ایک بات کا انسان کو تجربہ ہو چکا ہے تو وہ اس میں آز مودہ کار ہے ورنہ ناآز مودہ کار مجمل طور پر نا تجربہ کار ہے۔

حماقت: یہ ہے کہ انسان منزل مقصود پر پہنچنے کے درست راستہ کے تعین میں ہی غلطی کرے اور دوسرے راستے پر چل پڑے حماقت اگر پیدائشی ہو تو اسے حماقت طبعی کہیں گے اور یہ علاج پذیر نہیں۔ اور بعض اوقات کسی مرض کے باعث بھی ذہن بگڑ جاتا ہے اس لئے جب وہ مرض دور ہو جائے تو حماقت بھی دور ہو جاتی ہے۔

جنون: یہ فساد تخیل کا دوسرا نام ہے اس میں انسان نا قابل قبول شے کو قابل قبول شے پر ترجیح دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا قرعہ انتخاب ہمیشہ غلط شے پر پڑتا ہے۔ جنون کی خرابی اس کی غرض اور حماقت کی خرابی کرنا کیوں کہ

احمق کی غرض و غایت بھی عاقل کی سی ہوتی ہے اس لئے ابتداء میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اس کی بیوقوفی اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے جنون چونکہ فساد و غرض ہے اس لئے شروع ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔[23]

شجاعت کی افراط و تفریط

شجاعت کے عنوان کے ماتحت جود و کرم، دلیری، خودداری، برداشت، بردباری، ثابت قدمی، شہاست قدر دانی اور وقار آتے ہیں۔ جود و کرم کنجوسی اور اسراف کے بین بین ہے اس سے مراد ہے جلیل القدر اور عظیم النفع امور میں خوشی سے خرچ کرنا اس کو آزادروی اور حریت بھی نام دے لیتے ہیں دلیری، یہ جسارت اور بزدلی کا درمیانی نکتہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے وقت انسان بے دھڑک اور بے خوف ہو اور موت کے منہ میں جانے سے اس کا دل نہیں گھبرائے۔

خودداری: یہ تکبر اور ہیچ میرزی کے بین بین کا مقام ہے اس وصف کے ذریعہ انسان اس بات پر قادر ہو جاتا ہے کہ امور جلیلہ کو باوجود ان کو حقیر سمجھنے کے اپنی جان کا پیوند بنائے اس کا نشان یہ ہے کہ انسان علماء کی عزت کرنے میں خوشی حاصل کرے اور فرمایا لوگوں کے اکرام و عزاز میں مسرت نہ پائے ادنیٰ امور میں اسے کوئی لطف نہ ملے اور نہ ہی اتفاقات حسنہ خوش نصیبی کے طور پر جو مفاد و منفعت حاصل ہو اس سے اس کے دل میں فخر اور خوشی پیدا ہو۔

برداشت: یہ جسارت اور بے صبری کے بین بین ہوتی ہے اس سے مراد ہے تکلیف دہ اور ایذا رسان امور سے نہ گھبرا جانا۔

حلم: حلم ظلم وسفاکی کے درمیان ہوتا ہے اس میں انسان کا دل وقار حاصل کر لیتا ہے۔

ثابت قدمی: کے معنیٰ دل کا قوی ہونا ہے اور ہمت کا ہیٹانہ ہونا ہے۔

شہامت: سے مراد ہے حسن و خوبی کے حصول کی امید میں سرگرمی عمل میں حریص ہونا۔

قدر دانی: بڑے بڑے کارناموں پر دل کا خوش ہونا۔ وقار یہ تکبر اور انکسار کے بین بین ہوتا ہے۔

تکبر: اپنے تئیں مقدور سے زیادہ بلند، مرتبہ سمجھنا۔

نخوت: تکبر سے پیدا ہوتی ہے اس سے مراد ہے اپنی حقیقت کو نہ پہچاننا اور ناحق خیال کرنا کہ میں اعلیٰ مرتبہ پر قائم ہوں۔لوگ تکبر اور بخل کو فضول خرچی سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں کیوں کہ یہ سب برے وصف ہیں۔ خست اور فضول خرچی اگرچہ برے اوصاف ہیں لیکن یہ تواضع اور سخاوت سے مشابہت رکھتے ہیں اس لئے پسند کیے جاتے ہیں پھر بھی حقیقت میں یہ منفی محرکات میں داخل ہیں۔[24]

عفت کی افراط و تفریط

فضائل عفت میں حیا، میلا پن مسامحت، صبر و سخا، حسن تقدیر انبساط، نرم خوئی، انتظام خوبصورتی، قناعت، استغنا، ورع، ساعت، رشک اور ظرافت شامل ہیں۔ حیا شوخی اور زنانہ پن کے درمیان ہوتی ہے اس کی تعریف یوں ہے کہ یہ ایک قسم کا رنج ہے جو کسی کے عیب چینی سے دل میں پیدا ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک خوف ہے جو انسان کے دل میں اپنے سے بزرگتر کے سامنے فرد مایہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بری باتوں کے پیش آنے سے چہرے پر جو انقباض پیدا ہوتا ہے وہی حیا ہے اور یہ تحفظ نفس ہے مذموم باتوں سے غرض یہ ہے کہ حیاکااستعمال بری باتوں سے گریز کرنے کے لئے ہوتا۔

صبر: نفس انسانی کا ہواء ہوس سے مقابلہ کرنااور لذات قبیحہ سے دور رہنا۔

سخاوت: فضول خرچی اور انتہائی کنجوسی کا وسطی مقام یعنی خرچ کرنے میں آسانی اور فضول شے کے حاصل کرنے سے اجتناب۔

حسن تقدیر: اخراجات میں بخل اور تبذیر سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال اختیار کرنا۔

نرم خوئی: اشتیاق مشتہیات میں نفس شہوانیہ کا انداز پسندیدہ۔ انتظام نفس کی وہ حالت جس میں اسے مناسب طور پر اخراجات کرنے کا اندازہ معلوم ہو جائے۔

خوبصورتی: جائز اور واجب زینت کا شوق جس میں رعونت کو دخل نہ ہو۔

قناعت: معاش حسن تدبیر جس میں فریب کاری کو دخل نہ ہو۔

استغناء: جو چیزیں لذات جمیلہ سے انسان حاصل کر چکا ہے اس پر دل کا قانع ہو جانا۔

ورع: ریاکاری اور رسوائی کے بین بین یعنی اعمال صالحہ کے ساتھ نفس کو مزین کرنا کمال نفس اور قرب الٰہی کی طلب کے لئے اس میں نہ ریاء کو دخل ہوتا ہے نہ اعلان کو۔ طلاقت، بامذاق، خوش مزاجی جس میں فحش اور افترا کو دخل نہ ہو جدل ہزل کی افراط و تفریط کے درمیان وسطی مقام ہے۔

ظرافت: ترش روئی اور مسخراپن کے بین بین ہوتی ہے یعنی انسان مجلس میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھے اور خوش طبع کا موقع محل دیکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے اور ہر ایک شخص سے اس کی اہلیت کے موافق پیش آئے۔

رشک: حسد اور شماتت کے مابین یعنی غیر مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی پر اور مستحق لوگوں کی تکلیف اور ناکامی غمزدہ ہونا۔

عفت کی افراط و تفریط کے تحت حسب ذیل امور درج ہوں گے۔بے حیائی، زنانہ پن فضول خرچی، کنجوسی، ریاکاری ذلت پسندی، ترش روئی، بے ہودگی چھچھوراپن، بدمزاجی تملق، حسد اور شماتت۔

فضول خرچی: عام طور پر مال خرچ کرتے وقت نہ موقع کا لحاظ کرنا، نہ بات کا دھیان اور دولت بر باد کیے جانا۔

کنجوسی: جہاں مال خرچ کرنا واجب ہے، وہاں ہاتھ کھینچ لینا، اس کے تین اسباب ہیں بخل شح اور لئامت، ان میں سے ہر ایک کا ایک رتبہ ہے۔

بخیل: تو وہ ہوتا ہے جو خرچ کرنے میں حد سے زیادہ کمی کرتا ہے اس خوف سے کہ تنگدست اور مفلس ہو جاؤں گا تو کھاؤں گا کہاں سے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن ذلیل کر ڈالیں بخل کا سبب خیال کی بزدلی ہے۔[25]

عفت کا اعتدال ان تمام مثبت محرکات کے مجموعے کا نام ہے اور اس کے بالکل مقابل کی حالت منفی محرکات کے مجموعہ کا نام ہے۔ امام غزالیؒ کو سببِ محرکات کے ساتھ ساتھ اقسامِ محرکات، ترغیبِ محرکات، اور محرکات کے نتائج کے بارے میں بہت ادراک حاصل تھا اور یہ آپؒ کے امہات موضوعات میں شامل ہیں۔ امام غزالیؒ نے کردار و شخصیت کی تربیت میں توازن کے لئے مادی و روحانی دونوں پہلوؤں پر اکٹھا نقطہ نظر پیش کیا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک مضبوط کردار کی تصویر سامنے آتی ہے اس لیے آپؒ نے انسانی کردار کی تربیت کے لئے بھی چار نکات پیش کیے ہیں:

۱۔ایمان باللہ، علم و معرفت، تقویٰ اور عبادات کی ادائیگی کے ذریعے انسانی کردار کو قوت پہنچائی جائے۔[26]

۲۔ فطری تقاضوں اور محرکات و تاثرات اور انفعالات پر قابو رکھ کر خواہشاتِ نفس پر قابو پا کر کے انسان کے جسمانی پہلو کو حدِ اعتدال میں رکھا جائے۔

۳۔انسانی کردار و شخصیت کو کمزور وہلاک کرنے والی نفسیاتی بیماریوں کا شعور دیا جائے۔[27]

۴۔انسان کو ایسی خصلتیں اور عادات سکھائی جائیں جو اس کے تاثراتی سماجی، ماحولیاتی، معاشرتی حالات کے موافق ہوں۔[28]

اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کی تحریری تقسیم ہی انسانی کردار و شخصیت کو سمجھنے اور تربیت کے اصولوں کے مطابق کی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔آپؒ نے احیاء العلوم کی پہلی جلد میں ہی عبادات پر زور دیا ہے اور جب ہم ان عبادات میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں ان عبادات کے انسانی کردار پر بہت اچھے اثرات نظر آتے ہیں مثلاً جب ہم نماز کی ادائیگی کی کیفیات پر غور و فکر کرتے ہیں تو تقریباً چھ ایسی اچھی خوبیاں ہیں جو انسانی کردار کو مضبوطی دیتی ہیں:

۱۔ حضورِ قلب، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو کچھ کر رہا ہے یا بول رہا ہے اس کے علاوہ کسی دوسری طرف اس کی توجہ نہیں ہے اور دل کو قول و فعل دونوں کا ادراک ہو مطلب یہ ہے کہ متعلقہ کام سے توجہ غافل نہ ہو تو اسی صورت میں حضورِ قلب حاصل ہو جائے گا۔ آپؒ کے نزدیک حضورِ قلب کا سبب ''فکر'' ہے اور انسانی دل اپنی فکر کے تابع ہی ہوتا ہے اور جس چیز کی فکر ہوتی ہے انسانی دل بھی اسی کام میں مشغول ہوتا ہے نیز طبعی طور پر انسانی دل فکری امور میں خواہ مخواہ مشغول رہتا ہے اور جب دل نماز میں مشغول نہیں ہوگا تو فارغ نہیں بلکہ دنیاوی امور میں سے جن امور کی آدمی کو فکر ہو گی انہیں میں مشغول ہوگا۔

۲۔ فہم، یہ حضورِ قلب کے علاوہ دوسرا امر ہے کہ بسا اوقات دل لفظوں کے ساتھ تو حاضر ہوتا ہے مگر ان کے معنوں کے ساتھ حاظر نہیں ہوتا ہے اور جب فہم حاصل ہوتا ہے تو نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے کیوں کہ اس سے کئی امور سمجھ میں آتے ہیں اور یہ امور یقینا بے حیائی سے بچاتے ہیں۔ فہم کا سبب ہی حضورِ قلب کے بعد فکر کو دائمی رکھنا اور ذہن کو معنی کے ادراک کی طرف پھیرنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان فکر پر متوجہ اور وسوسوں کو دور کرنے کے لئے مستعد رہتا ہے۔

۳۔ تعظیم، یہ ایک دلی کیفیت کا نام ہے جو دو چیزوں کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ (۱) عظمتِ الٰہی کا معتقد ہونا (۲) نفس کی حقارت و خسارت۔

۴۔ ہیبت، آپؒ کے نزدیک یہ تعظیم سے بھی بڑھ کر عمل ہے بلکہ اس سے مراد ایسا خوف ہے جو تعظیم سے پیدا ہوتا ہے کیوں کہ جسے خوف نہیں ہوتا اسے خوف زدہ نہیں کہا جاتا نیز بچھو کے ڈسنے کی ہیبت، غلام کی بد خُلقی اور اس جیسی ادنٰی چیزوں سے ڈرنے کو ہیبت نہیں کہا جاتا بلکہ ہیبت ایسا خوف ہے جو اجلال و تعظیم سے پیدا ہوتا ہے (کیوں کہ جلالت و تعظیم الٰہی دل میں ہو تو اس خوف کا سبب بھی محبت ہے)۔

۵۔ رجاء (امید)، یہ مذکورہ تمام چیزوں سے ایک زائد امر ہے اور کامیابی ملنے کی امید، ثواب کا حصول وغیرہ انسانی کردار کو تازگی اور تندرست و توانا رکھتے ہیں۔

۶۔ حیاء، یہ امر اپنی خطا پر واقف ہونے اور اپنی غلطی کا وہم گزرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ تعظیم، خوف، اور رجا آپؒ کے نزدیک حیاء کے بغیر بھی ہو سکتے ہیں مثلاً تقصیر (یعنی خطا) کا وہم اور ارتکابِ گناہ نہ ہو مگر حیاء پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔[29] اس لیے آپؒ انسانی کردار کے لئے ان چھ کیفیتوں کو ضروری قرار دیتے ہیں اور یہ کیفیتیں انسانی کردار سے جدا نہیں ہونی چاہییں اگرچہ ان کی قوت یقین کی قوت کے برابر ہو۔

امام غزالیؒ کے نزدیک انسانی خیالات کی بنیاد اچھی اور بری سوچوں پر ہے۔ اچھی آنے والی سوچیں ''الہام'' کا نام رکھتی ہیں اور بری آنے والی سوچیں ''وسوسوں'' کا نام رکھتی ہیں۔ الہام کی سوچیں اچھی فطرت اور سوچ پر مبنی ہوتی ہیں اور اس کے نتائج کردار کی خوبیوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً امید، عاجزی، قوتِ یقین، صبر، قناعت، شکر اور قوتِ ارادی وغیرہ۔ بری سوچیں کردار کی خامیوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں مثلاً تجسّس، غیبت، جھوٹ، بدگمانی، حسد، تکبر، کینہ و بغض اور نفرت وغیرہ۔[30]

امام غزالیؒ کے نزدیک انسانی کردار خواہشات میں تین حالتوں میں ہوتا ہے:

۱۔ کبھی خواہشات انسانی کردار پر فتح حاصل کرکے قابض ہو جاتے ہیں اور وہ ان کے خلاف کچھ نہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہوتی ہے تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہوں گی وہی خواہشات کے تابع ہوگا۔

۲۔ کبھی یہ شخص خواہشات پر غالب آجاتا ہے اور کبھی خواہشات اس پر غالب آ جاتی ہیں۔ ایسا شخص مجاہدین میں شمار ہوگا۔

۳۔ کبھی وہ اپنی خواہشات کو پچھاڑ کر ان پر قابو حاصل کر لیتا ہے اور کسی وقت بھی وہ اس پر غالب نہیں ہو سکتیں ہیں۔ اسی عمل کو آپؒ ملک کبیر، نعیم حاضر، حریت کامل اور غلاظت سے پاک ہونا شمار کرتے ہیں۔[31]

امام غزالیؒ کے نزدیک انسان کی حقیقت، اس کا نفس اور اس کی ذات یہی ربانی لطیفہ ہے، مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے اوصاف تبدیل ہوتے رہتے ہیں خواہشات سے مقابلہ کرتے کرتے جب یہ احکام الٰہی کا پابند ہو جاتا ہے اور اس کی بے قراری دور ہو جاتی ہے تو اس ربانی لطیفہ کو نفسِ مطمئنہ کہا جاتا ہے، جب اس ربانی لطیفہ کی بے قراری مکمل دور نہ ہو (یعنی اسے خواہشات پر غلبہ حاصل نہ ہو) لیکن خواہشات کی مخالفت مسلسل کرتا رہے ان سے مقابلہ ہوتا رہے تو اس وقت اسے نفسِ لوامہ کہا جاتا ہے کیوں کہ انسان جب اچھے اعمال میں کوتاہی کرتا ہے تو اسے یہ ملامت کرتا ہے، اگر یہ ملامت کرنا چھوڑ دے اور خواہشات کی پیروی اور شیطانی باتوں کی اتباع کرے تو اسے نفسِ امارہ کہا جاتا ہے۔[32]

امام غزالیؒ کی رائے میں جب انسان کے اندر معرفتِ الٰہی اور معرفتِ ذات حاصل ہو جائے گی اور قوتِ ارادی ضبطِ نفس میں تبدیل ہو جائے گی تو یہ شیطانی سوچیں انسان کے تابع ہوں گی اور اسی حالت کو آپؒ نفسِ لوامہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام غزالیؒ کی فکر میں انسانی رویوں اور اخلاقیات میں سب سے پہلے اہمیت تربیت و ماحول کو ملتی ہے اور پھر تربیت و ماحول کی وجہ سے ہی انسان اچھے اور برے خواطر ذہن میں لاتا ہے، تربیت ہی کی وجہ سے انسان کو شعور

حاصل ہوتا ہے اور انسان اپنی اندرونی طاقتوں کی پہچان اور ان کو اعتدال میں رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ تربیت ہی کی وجہ سے انسان اپنی ذات کی معرفت حاصل کرتا ہے آپؒ کے نزدیک اپنی ذات کی معرفت ہی اصل کامیابی ہے جس کی وجہ سے اچھے برے کی تمیز کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اسی معرفت کی وجہ سے اچھے رویے تشکیل پاتے ہیں۔

امام غزالیؒ کے نزدیک جیسے معرفتِ نفس ضروری ہے اسی طرح معرفتِ افعال کا بھی جاننا ضروری ہے جس طرح معرفتِ نفس معرفتِ ذات و صفات کی کنجی ہے معرفتِ افعال کی بھی کنجی ہے جب تک انسان یہ نہیں جان سکتا کہ اسے اپنے بدن میں کیسے حکمرانی کرنی ہے اس وقت تک اسے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ اسے معاشرے میں کس طرح زندگی گزارنی ہے اس لیے آپؒ پہلے اپنے آپ کی پہچان اور پھر اپنے ایک ایک کام کو جان سکتا ہے۔ اسی لیے آپؒ رغبت، نیت، ارادہ اور عمل پر کی قوتوں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔[33]

آپؒ کے نزدیک انسان کو دنیا میں فقط تین چیزوں کی ضرورت و حاجت ہے کھانا، پہننا اور گھر یہی تین چیزیں دنیا کی اصل ہیں دل کی غذا معرفت ہے وہ جتنی زیادہ ہو اتنی ہی بہتر ہوتی ہے جب کہ بدن کی غذا کھانا ہے لیکن وہ اگر حد سے زیادہ ہو تو ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے اسی لیے خواہش انسان پر متعین ہے تاکہ کھانے، کپڑے اور گھر کا تقاضا کرے تاکہ بدن جو انسان کی سواری ہے وہ ہلاک نہ ہو جائے اور اس خواہش کی خلقت و پیدائش ایسی نہیں جو ایک حد پر نہیں ٹھہرتی اور زیادہ بھی طلب کرتی ہے اس لیے عقل کو پیدا کیا گیا کہ خواہش کو ایک حد پر رکھے اس لیے خواہش کو بچپن میں ہی پیدا کیا گیا اور اس کے بعد عقل کو پیدا کیا گیا چونکہ خواہش پہلے پیدا ہوئی تھی اس لیے اس نے جگہ حاصل کر لی اور غالب آگئی۔[34] امام غزالیؒ کے نزدیک طہارت کردار کے چار درجات ہیں:

1) اندرونی پاکیزگی۔
2) حسد، تکبر، ریا، حرص، عداوت، رعونت وغیرہ سے باطن کو پاک کرنا تاکہ تواضع، قناعت، توبہ، صبر، خوف، رجاء، محبت وغیرہ پیدا ہوں۔
3) غیبت، جھوٹ، اکل حرام، خیانت وغیرہ اس قسم کے گناہوں سے اعضاء وغیرہ کو پاک رکھنا۔
4) کپڑے اور بدن کو نجاست سے پاک رکھنا۔

آپؒ کے نزدیک بدن اور کپڑے کی طہارت و پاکیزگی کی طرف تو سب لوگ متوجہ ہوتے ہیں حالانکہ یہ تو آخری درجہ کی پاکی ہے اس میں توجہ اور انہماک کی وجہ یہ ہے کہ طہارت کی باقی اقسام سے یہ آسان ہے اور اس سے نفس بھی خوش ہوتا ہے اور آرام بھی محسوس کرتا ہے بشرطیکہ طہارت کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے مثلاً وسوسہ اور اصراف کو اس میں دخیل نہ کرے اگر ان چیزوں کو اس میں دخیل کیا تو وہ طہارت مکروہ ہو جائے گی، چادر سر پر

اوڑھنا، پاک پانی، خاموشی کا اختیار کرنا، سوچوں پر پابندی رکھنا اور خصوصاً بچوں کو طہارت کا طریقہ سکھانا وغیرہ یہ وہ احتیاطی تدابیر ہیں جس سے ظاہری و باطنی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔[35]

امام غزالیؒ کے نزدیک متوازن کردار کے لئے نفس کی تربیت بہت ضروری ہے اور اہلِ قلوب نے اپنے نفسوں کے ساتھ وہ معاملہ کیا ہے جو باز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جب اسے ادب سکھانے اور اس سے وحشت دور کرنے کا ارادہ ہوتا ہے تو اولاً اسے ایک اندھیرے کمرے میں قید کر دیا جاتا ہے اور اس کی آنکھیں بند کر دی جاتی ہیں تاکہ وہ فضا میں اڑنا چھوڑ دے اور اڑنے کے متعلق اپنی فطرت کو بھول جائے پھر اسے گوشت کھلا کر اس میں نرمی پیدا کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے مالک سے اس طرح مانوس ہو جائے کہ اس کے بلانے پر حاضر ہو جائے اور جہاں اس کی آواز سنے اس کی طرف لوٹ آئے۔ نفس کی مثال بھی اسی طرح ہے کہ وہ اپنے رب کے ذکر سے مانوس نہیں ہوتا جب تک پہلے اس کی بری عادت کو خلوت اور گوشہ نشینی سے دور نہ کیا جائے کہ وہ اس کے ذریعے مانوس چیزوں سے اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کریں پھر دوسرے مرحلے میں اسے خلوت و گوشہ نشینی میں ثنا، ذکر اور دعا کا عادی بنایا جائے تاکہ اس پر دنیا اور دیگر تمام شہوات کی انسیت کے مقابلے میں اللہ کی انسیت غالب ہو جائے شروع میں یہ کام مزید پر مشکل ہوتا ہے پھر آخر میں وہ اس سے لذت محسوس کرتا ہے جس طرح بچے کو دودھ چھڑانا ایک مشکل امر ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ ماں کے دودھ کے مقابلے میں کھانے سے مانوس ہو جاتا ہے۔[36] آپؒ نے انسانی کردار و شخصیت کی پہچان، رویوں اور عادات بننے کے طریقوں اور ظاہری و باطنی بیماریوں کے اسباب وجوہات کو مثالوں کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ اور کردار سازی

نصیر الدین طوسی ۱۲۰۱ء میں طوس پیدا ہوئے اور ۱۲۷۴ء میں بغداد میں وفات پائی[37]۔ تیرھویں صدی کے بڑے مشہور مفکر تھے آپ کے بنیادی موضوعات میں اخلاقیات، تاریخ، طب، منطق، علم نجوم اور شاعری وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے نزدیک انسانی کردار کے تشکیل کے اہم عناصر درج ذیل ہیں:

فطرتِ انسانی

آپ کے نزدیک انسان کی اخلاقی فطرت اس کی روح کی ایک عادت ہے جو کہ انسان کے عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ انسان کی وہ نفسیاتی خوبی جو جلد زوال پذیر ہو جائے اسے صرف ''حالت'' کہا جاتا ہے لیکن جو دیر سے زوال پذیر ہو اسے ''عادت'' کہتے ہیں۔ لہٰذا عادت ایک نفسیاتی خوبی ہے اور یہ فطرت کا لُبِ لباب

ہے۔ خواجہ نصیر الدین کے مطابق کسی بھی مخصوص عمل واخلاق کی وجہ انسان کی قوتِ ارادی کے سبب ہے۔ وہ قوتِ ارادی جو ثابت قدمی اور عمل سے عادت بن چکی ہوتی ہے۔ ان تینوں مکتبہء فکر میں آخری درست ہے کیونکہ بچے و جوان اپنی تربیت اور لوگوں سے تعلقات کے زیر اثر کردار اپناتے ہیں۔ پہلی اور دوسری مکتبہء فکرکے لوگ تربیت، تعلیم، حکومتی و مذہبی قوانین کے منکر ہیں۔ کچھ حقائق عیاں بالذات ہوتے ہیں جیسے پانی کا نیچے کی طرف بہنا یہ پانی کی فطرت ہے کہ نیچے کی طرف بہتا ہے کوئی اسے بدل نہیں سکتا اسی طرح آگ کی فطرت گرم ہے۔ اسی طرح اگر کردار قدرتی ہوتا تو ذہین لوگ بچوں کو ادب سکھانے اور جوانوں کی اصلاح کرنے کے لئے ہدایات نہ دیتے اور نہ ہی ان کے اخلاق کو درست کرنے کے لئے اس طرح کی ہدایات کام آتیں۔

اگر ایک انسان ایسے نومولود بچے کی عادات و فطرت پر خصوصی توجہ دئے جس کا ماحول یا جگہ بار بار بدلتا ہو تو وہ باآسانی مشاہدہ کر سکتا ہے کہ نومولود اپنی نئی جگہ پر ابتداء میں تو اپنی قدرتی ضروریات کا مظاہرہ کرتا ہے کیونکہ اس کی وجوہات کی قابلیت پروان نہیں چڑھی ہوتیں جس کی بناء پر وہ اپنی حالت و قوتِ ارادی کو چھپا سکے لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد نومولود نئے ماحول کے مطابق تبدیل ہو جاتا ہے۔

ہدایات وتربیت

طوسیؒ کے نزدیک کردار سازی میں ہدایات و تربیت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہر انسان کے اخلاق الگ ہیں اور اس کا قدرتی رجحان بھی، اگر قواعد و ضوابط اور حکومت کو نظرانداز کیا جائے اور انسان کو اپنے مزاج کے مطابق حکومت کرنے دی جائے تو ہر انسان اپنے حالات کے مطابق حکومت کرے گا وہ قیدی بھی ہو سکتا ہے اور بھوکا بھی جو کہ اس وقت اس کی قدرتی حالت ہو گی۔ انسان کا سب سے پہلا استاد اس معاملے میں احکامات الٰہیہ ہیں اس لئے ماں باپ پر لازم ہے کہ بچے کو احکامات الٰہیہ کے قریب لائیں اور ان احکامات کو عمل میں لانے کے لئے ہدایات ورہنمائی دی جائے۔[38]

طبعی صلاحیتیں

انسان کی روح میں تین مختلف طبعی صلاحیتیں ہیں جو کہ قوتِ ارادی کی موجودگی میں مختلف عمل اور ردِ عمل کا سبب بنتی ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ایک صلاحیت دوسری سے آگے بڑھتی ہے تو پہلی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ صلاحیتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ قوتِ مدرکہ یا عقل کی قابلیت جسے ملکوتی روح بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طاقت کو استعمال کرکے انسان چیزوں کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

۲۔ دوسری غضب کی قوت ہے جسے جنگلی روح کہا جاتا ہے۔ جو کہ بنیاد ہے غصے کی، ہمت کی، مشکلات کا سامنا کرنے کی، اصولوں پر قائم رہنے کی اور کامیابی و ترقی حاصل کرنے کی قوت کہلاتی ہے۔

۳۔ تیسری مشتہی (بھوک) کی قوت جو کہ بہیمانہ طرزِ انداز ہے۔ یہ قوت سبب بنتی ہے بھوک، عورت، پانی اور اعضاء سے خوشی حاصل کرنے کی، روح کے سارے نیک اعمال انہی طاقتوں کے مطابق ہیں۔

۱۔ قوت مدرکہ میں توازن

جب بھی قوتِ مدرکہ یا عقل کی قوت کی حرکت اپنے آپ میں توازن میں ہوگی اور اس کی خواہش کچھ علوم کے حصول کی ہوگی تو اس حرکت سے نیک علوم حاصل ہوں گے یعنی کسی بھی عمل کی نیکی کے لئے اس کے اسباب کا توازن میں ہونا ضروری ہے۔ اور اس نیکی کا نتیجہ دانائی ہے۔

۲۔ قوتِ غضب میں توازن

غضب کی قوت میں توازن ہونے کی صورت جو عمل ظاہر ہوتا ہے وہ میانہ روی کا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ ہمت اور بہادری کا نیک عمل ہے۔

۳۔ قوتِ مشتہی میں توازن

جب مشتہی قوت توازن میں ہوتی ہے۔ تو اس توازن کی حرکت سے عصمت کی نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اور آزاد خیالی کی نیکی جنم لیتی ہے۔ قوتِ غضب اور قوتِ بھوک اس وقت توازن میں آتی ہیں جب وہ قوتِ مدرکہ یا قوتِ عقل کے ماتحت ہوں۔

جب ان تین طرح کے عوامل کی نیکیاں جمع ہو جائیں تو ان کے ہونے سے ایک یکساں حالت پیدا ہوتی ہے جو ان نیکیوں کی تکمیل اور کمال کو ظاہر کرتی ہے اور اس حالت کو انصاف کہتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی روح میں دو قابلیتیں پائی جاتی ہیں ایک اپنی ذات کا ادراک کرنا اور دوسرا جسم کے حصوں کی حرکات کا سبب ہونا۔ ان دونوں کے مزید دو حصے ہیں۔

قوتِ ادراک

قوتِ ادراک کے دو حصے ہیں: "قیاسی قوّت" (سوچ بچار) اور "عملی قوّت"۔

قوتِ محرکہ

قوتِ محرکہ کے دو حصے ہیں: "قوتِ مخالفت" اور "قوتِ کشش"۔

اس طرح کل چار قوتیں ہیں جب ان میں سے ہر ایک کا کنٹرول اپنے مقاصد میں اس طرح ہو کہ وہ توازن میں ہو تو ایک نیک عمل جنم لیتا ہے۔

نیک عوامل

اس طرح کردار کے نیک عوامل چار طرح کے ہیں:

۱۔ دانائی ۲۔ ہمت ۳۔ پرہیز، عصمت ۴۔ انصاف۔

کوئی بھی انسان کسی ایک بھی درجے کے بغیر تعریف کا حق دار نہیں بنتا:

۱۔ قوتِ عقل کی تربیت سے دانائی حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ قوت عمل کی تربیت سے انصاف پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ قوتِ غضب کی تربیت سے ہمت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ بھوک کی قوت کی تربیت سے عصمت اور دباؤ کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔

نیک عوامل کی تعریفات

۱۔ "دانائی" علم کے حصول کا سبب بنتی ہے یہ علم دو طرح کے ہیں ایک آگاہی اور دوسرا عمل کے قابل یعنی عقلی اور عملی علم۔

۲۔ "ہمت" یہ ہے کہ قوتِ غضب کا قوتِ عقل کے ماتحت ہونا کہ انسان مشکل حالات میں احتجاج کا رویہ اختیار نہ کرے اور اس کا عمل انصاف پر مبنی ہو۔

۳۔ "عصمت" عصمت یہ ہے کہ بھوک کی قوت، قوتِ عقلی کے تابعدار ہو اور اس میں آزادی کا عمل رونما ہو۔

۴۔ "انصاف" یہ ہے کہ تمام طاقتیں ایک دوسرے کی موافقت سے کام کریں تاکہ ایک طرف مخالفت اور دوسری طرف کھچاو نہ ہو۔[39]

نیک عوامل کی خوبیاں

"دانائی" کے زمرے میں جو خوبیاں آتی ہیں وہ سات ہیں: ۱۔ سمجھنے کی طاقت ۲۔ حاضر جوابی ۳۔ ذہن کا صاف ہونا ۴۔ سیکھنے میں آسانی ۵۔ ذہانت کی برتری ۶۔ بھول جانا ۷۔ یاد کرنا۔ دانائی کی یہ خوبیاں مختلف عادات کہ اپنانے سے کردار کا حصہ بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر حاضر جوابی تب حاصل ہوتی ہے جب انسان جلد تجاویز پیش

کرنے اور حتمی فیصلہ کرنے کی عادت اختیار کرلے۔ یعنی عادت اختیار کرنے سے اور تربیت سے روح میں یہ کردار پیدا ہوتے ہیں۔

''ہمت ''کے زمرے میں گیارہ نکات ہیں: 1۔روح کی عظمت ۲۔بہادری ۳۔اعلیٰ نظری ۴۔ثابت قدمی ۵۔نرمی ٦۔سکوت ۷۔جسمانی طاقت ۸۔ متحمل ۹۔عاجزی ۱۰۔ہمدردی ۱۱۔عزت کا احساس۔

''بہادری'' یہ ہے کہ انسان اپنے کردار میں اپنی ثابت قدمی پر بہت پر اعتماد ہو کہ خوف و پریشانی کی کسی حالت میں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ ثابت قدمی یہ ہے کہ انسان کے کردار میں تکالیف اور مخالفتوں کے خلاف جانے کی قوت مضبوط ہے۔

''عصمت'' کے زمرے میں بارہ نکات ہیں: 1۔شرم وحیا ۲۔انکساری ۳۔ صحیح رہنمائی ۴۔احسن پسندی ۵۔سکون ٦۔ تحمل ۷۔ قناعت ۸۔ کشش ۹۔اعتدال پسندی ۱۰۔ نظم وضبط ۱۱۔آزادی ۱۲۔آزاد خیالی۔

''انصاف'' کے زمرے میں بارہ نکات ہیں: 1۔اخلاص ۲۔ہم آہنگی ۳۔ایمانداری ۴۔بہن بھائیوں کی محبت ۵۔ فکر ٦۔جزادینا ۷۔اچھی دوستی ۸۔منصفانہ فیصلے ۹۔محبت ۱۰۔احساس ذمہ داری ۱۱۔بھروسہ ۱۲۔کام میں لگن۔

یہ ساری نیکیوں کا خلاصہ ہے اور ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر مزید اچھائیاں پیدا ہوتی ہیں۔[40]

نظم وضبط

کوئی بھی انسان اندر سے صرف نیکی کی حالت میں پیدا نہیں ہوتا یہ نظم وضبط سے حاصل کی جاتی ہے جب کہ یہ اکثر ہوتا ہے کہ انسان کا ابتدائی حالت میں نیکی کی طرف رحجان زیادہ ہوتا ہے، اچھے اعمال سیکھنے والے طالب علم کو صرف وہی اعمال کرنے چاہیئں جو کہ نیکی کی طرف ہوں تاکہ اس کی روح میں یہ عادات پختہ ہو جائیں اور اس سے ایسے اعمال پر باآسانی عمل ہوسکے۔ قوت ادراک اور قوت محرکہ دونوں میں سے انسان کو سب سے پہلے اپنی قوت ادراک یعنی قوت عقل کی اصلاح کرنی چاہیئے جب انسان سیکھنے کا آغاز کرتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کس طرح اپنے دماغ کو ادھر ادھر بھٹکنے سے روک سکتا ہے اور اس کی ساری توجہ علم کے حصول کی طرف ہونی چاہیے تاکہ دماغ کو یقین کی لذت حاصل ہو اور ہمیشہ سچائی کے ساتھ رہنا اس کی عادت بن جائے اس کے بعد سارا دھیان اسے اس بات پر لگانا چاہیئے کہ چیزوں کی حقیقت کیا ہے اور ان کی اصل فطرت کیا ہے اسے ابتداء معقول چیزوں کے اصول و ضوابط کے علوم سے کرنی چاہیئے اور انتہا تمام موجودات کے وجود کے اصولوں کے علوم سے کرنی چاہیئے۔ اگر وہ اس انتہا کو پہنچ گیا تو اس نے ان تینوں طاقتوں کی اصلاح کرلی جن کی بنا پر نیک کردار تشکیل پاتے ہیں۔[41]

عادات کی پختگی

جب روح اچھی اور نیک ہو اور نیکی (اچھے کردار) کے حصول میں سرگرم ہو اور اپنی طاقت علم سے حاصل کرے تو ایسا کرنا انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی سوچ رکھے جو ان خوبیوں کو ہمیشہ برقرار رکھتی ہے۔ روح کی ان عادات کو برقرار رکھنے کا ایک اصول یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جن میں یہ اعلیٰ خوبیاں پائی جاتی ہوں۔ انسان کی روح پر کسی چیز کا اتنا گہرا اثر نہیں ہوتا جتنا ایک ساتھی اور گہرے دوست کا اس لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسے کردار کے لوگ جو بھوک اور ہوس کے شیدائی ہوں یا جن کے کردار میں اوپر بیان کی گی خوبیاں نہ پائی جاتی ہوں ان سے نہ ملا جائے۔ بروں کی صحبت سے پرہیز کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر قدرتی طور پر جسمانی لذتوں سے محبت کا رجحان پایا جاتا ہے۔[42]

انسانی قوتوں میں توازن

جس طرح جسمانی بیماریاں دوائیوں سے دور کی جاتی ہیں اسی طرح نفسیاتی برائیاں بھی قابل علاج ہیں انسان میں جو تین طرح کی قوتیں پائی جاتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(ا) قوت مخالفت (۲) قوت کھچاؤ یا تدبر (۳) قوت امتیاز، ان میں زوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ان میں سے کسی قوت کی مقدار یا معیار میں کمی ہو اور اس کی وجہ سے روح کی جو بیماریاں جنم لیتی ہیں وہ یہ ہیں: حسد، غصہ، کینہ پروری، خودسری، انتقام کی خواہش، بیوقوفی، لالچ، نسب پسندی، ہوس، خوف، اداسی اور خواہش وغیرہ۔

خواہش، خوف اور اداسی کا تعلق قوت مدرکہ کی بیماری سے ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ نفسیاتی اور جسمانی دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اگر روح پر غصے، زیادہ خواہشات اور دکھ کے اثرات ہوں تو یہ اس کے جسم پر بھی رونما ہوتے ہیں جیسے کہ غصے کا اظہار کرنا، کانپنا، لاغر ہونا۔ اسی طرح اگر جسمانی صحت اچھی نہیں تو روح کی طاقتیں اثر انداز ہوتی ہیں جیسے کہ اچھے برے میں امتیاز نہ کر پانا، تخیلات کا خراب ہونا، طاقتوں اور عادتوں کو استعمال میں نہ لانے کے قابل ہونا اس لئے روح کی بیماریوں کا علاج کرنے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کا سبب کیا ہے اور طب میں علاج کے چار طریقے درج ذیل ہیں: (ا) خوراک (۲) دوا (۳) زہر (۴) جراہی یا داغنا، نفسیاتی بیماریوں کے بھی یہی طریقے کار ہیں۔ 1۔سب سے پہلے اس برائی کا خلل جاننے کی ضرورت ہے جس کا انسان علاج کرنا چاہتا ہے۔ ۲۔ اس برائی سے کیا خرابی اور تباہی پیدا ہو سکتی ہے۔ 3۔ یہ تباہی ایمان کے معاملے میں ہے یا دنیاوی معاملات میں پیدا ہو سکتی ہے۔

اگلا مرحلہ اس برائی کو معقول قوت ارادی کے طریقے سے نکالنا ہے اور اگر یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو بہتر ورنہ انسان کو ایسے کام کرنے چاہیئں جو اس برائی کے الٹ ہوں یعنی اس کے الٹ نیکی کرنی چاہیے اور اس عمل کو بار بار دہرانا چاہیئے یہ علاج اسی طرح ہے جس طرح جسمانی بیماری کے لئے بہترین خوراک پہلا علاج ہے۔ اگر اس علاج سے بھی کام نہیں ہوتا تو انسان کو اپنے آپ کو ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے طریقے اختیار کرنے چاہیئں اپنے الفاظ سے یا عمل سے، اگر پھر بھی انسان کا کردار وہی برے عمل دہرائے تو اس کا تیسرا علاج اسے کڑی سزا دینا ہے، اس سے عہد لینا اور اسے کسی مشکل کام میں ڈالنا ہے۔[43]

امام طوسیؒ روح کے جو خواص بتاتے ہیں وہی کردار سے تعلق رکھتے ہیں ان کے نزدیک نیکی یعنی اعلیٰ اخلاق کا مادہ روح میں پایا جاتا ہے۔ ان کے بقول انسان کی روح میں اچھائی اور برائی دونوں طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں کسی کی روح میں اچھائی کے زیادہ اور کسی کی روح میں برائی کے زیادہ رجحانات ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ہر رویے میں انسانی پیدائش کے وقت اچھائی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ برائی کو اچھائی سے بدلنا ہی اچھے کردار کی تشکیل ہے اور اور عین ممکن ہے اگر انسان ہر عمل میں اچھائی کی بجائے برائی، برائی کی بجائے اچھائی کو اختیار کرے کیونکہ ہر عمل کا ایک متضاد ہے۔ ہر برے عمل کی جگہ اچھا عمل، اگر بری فطرت کے انسان کو اچھا عمل کرنے کے لئے بار بار مجبور کیا جاتا رہے تو یہ اچھا عمل کرنے کی عادت اس میں پیوستہ ہو جاتی ہے اور کردار کا حصہ بن جاتی ہے گویا کردار کی تشکیل کا سب سے اہم طریقہ انسان میں موجود طبعی صلاحیتوں پر قابو، قوتوں میں توازن اور تعلیم و تربیت کے طریقوں سے عمل کو بار بار دہرانے میں ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ اور کردار سازی

علامہ محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ (پنجاب، پاکستان) میں پیدا ہوئے۔[44] اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور میں وفات پائی،[45] آپؒ بیسویں صدی کے معروف شاعر، فلسفی اور مفکر تھے۔ آپ نے انسانی کردار کی تشکیل پر بہت زور دیا ہے۔ انسانی کردار اپنانے کی اہمیت کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں:

مثلِ حیواں، خوردن، آسودن چہ سود — گر بخود محکم نہ بودن چہ سود[46]

اقبالؒ کے نزدیک انسان کو حیوان کی طرح کھانے سونے میں کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے انسان کو مخلوق میں اشرف مقام ملا ہے۔ اور اگر انسان اپنے کردار کو مظبوط و مستحکم نہیں بنائے گا تو انسان و حیواں کے جود کا فرق ختم ہو جائے گا۔ آپ یہ محکم بودن (مضبوط و مستحکم کا ہونا) کا حکم ہی اس لیے دیتے ہیں تاکہ انسان محکم اخلاق عالیہ اور مستحکم اخلاق عظیم ہو۔ اور انسانی کردار با مقصد، با معنی اور بامراد ثابت ہو۔

علم: علامہ اقبالؒ کے تصور کردار میں "علم" کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ آپؒ کا تصور علم، تصور کردار کے ساتھ مربوط ہے۔آپؒ فرماتے ہیں۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں　　　جس علم کا حاصل ہے دو کف جو!!! [47]

آپؒ کے نزدیک وہ علم جو صرف شکم سیری کے لئے ہو بلند معیار زندگی کے لئے نہ ہو یعنی علم برائے معاش ہو وہ زہریلا ہے، علم اگر صرف ظاہری طور حاصل کیا جائے تو یہ سانپ ہے اور علم اگر جاں پر وارد ہو تو یہ ظاہر و باطن کے لئے روشنی بن جاتا ہے۔ آپ جس علم کے داعی ہیں اس کا بنیادی مقصد انسان ساز، اخلاق ساز، کردار ساز اور شخصیت ساز بنانا ہے۔

علم و حکمت رہزنِ سامانِ اشک وآہ ہے　　　یعنی اک الماس کا ٹکرا دلِ آگاہ ہے [48]

علم اور دانائی آپ کے نزدیک زندگی کے سارے غموں کا علاج ہے اور یہ اس ہیرے کی مانند ہے جو انسان کو مضبوط کردار بنانے کے لئے ہر وقت باطنی قوت فراہم کرتا ہے۔اسی باطنی قوت کی پہچان کو آپ خودی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور علم کا حاصل بھی خودی کی اجاگری کو قرار دیتے ہیں۔

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبرائیلؑ　　　اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل [49]

خودی: آپؒ کے نزدیک جب علم کے ذریعے خودی بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ہی کردار کی تربیت و تکمیل کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

گر ہنر میں نہیں تعمیر خودی کا جوہر　　　وائے صورت گری و شاعری و نالے و سرود [50]

آپؒ کے نزدیک تعمیر خودی، تعمیر اخلاق، تعمیر کردار ہی کا نام ہے۔

خودی کے عوامل

قوتِ ادراک

ہو اگر خود نگر وخود گر وخود گیری　　یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی نہ مر سکے [51]

اقبالؒ کہتے ہیں کہ اگر تم نے اپنی خودی (ادراکِ ذات) کو پہچان لیا، اس کی حفاظت کی اور خودی کی بلندی حاصل کرنے کے لئے کام کیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ موت بھی تمہیں مار سکے۔ تم ایسے کردارِ عالیہ کے مالک بن جاؤ گے کہ موت بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ دونوں جہانوں میں کامیابی تمہارا مقدر بنے گی۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری　　اے کشتۂ سُلطانی و ملائی و پیری [52]

اۓ مرد مسلمان کبھی تیرا ضمیر آئینے کی طرح تھا۔ اور تو اپنی اس باطنی قوت سے برائی اور اچھائی میں فرق قائم رکھتا تھا۔ اگر انسان کا ضمیر زندہ ہو، تو اصل شاہی، اصل ملائی اور اصل پیرئی کا راز حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ساری روشنیوں کے مقام تیرے اندر موجود ہیں بس ان کو جگانے کی ضرورت ہے۔

شب خود روشن از نور یقین کن   ید بیضا بروں از آستین کن[53]

اپنی تاریک رات زندگی کو شمع یقین سے روشن کرو، یقین ید بیضا ہے اس کو آستیں سے نکالو اور ماحول کو روشن کرو قوتِ یقین ایک وجوبی صلاحیت ہے جو ہمارے طبعی شعور کے قریب موجود رہتی ہے۔ یہ شعور کی ایک ایسی نوع ہے جو ہمیں بعض ایسے مشاہدات سے آگاہ کرتی ہے جو ہمارے لئے علم اور عطائے حیات کا ذریعہ بن سکیں۔ اور یہی قوتِ یقین خودی کی قوتوں کو ایک مرکز پر لاتی ہے اور اس طرح ایک نئے کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔

شعور وحسیات

اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں   نہ گرمیِ افکار، نہ اندیشہ بے باک[54]

اگر تو زندہ ہے اور تیری شریانوں میں خون دوڑ رہا ہے لیکن کیا بات ہے کہ نہ تیرے خیالات یا قوت متخیلہ میں کوئی حرارت ہے اور نہ تیری سوچ میں کوئی بے خوفی ہے۔ سچائی انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتی ہے اور انسان کی سوچیں خوف کے بغیر کام کرتی ہیں۔

روشن تو وہ ہوتی ہے، جہاں بیں نہیں ہوتی   جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہِ پاک[55]

اس شعر میں اقبالؒ کے نزدیک جہان بیں آنکھ جب نگہِ پاک کا مقام حاصل کرلیتی ہے تو دونوں جہانوں کو دیکھنے والی اور معاملات جہان کے مقصدیت کو نگہِ پاک (پاکیزہ آنکھ) سے دیکھنے والی بن جاتی ہے۔ وہ نگاہ عشق حق سے پاک ہو چکی ہوتی ہے اسی نگاہ کی بدولت جو بے حیائی کو دیکھنے سے رکی ہوئی ہیں اور یہ نگاہ بغیر روشنی کے دنیا کے معاملات کی حقیقت کو پانے کے قابل نہیں ہوتی ہے۔

قوتِ ارادی

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی   ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد[56]

جب انسان کے ادراک، شعور، حسیات، خیالات اور خودی کے ہر بنیادی عنصر کو روشنی ملنا شروع ہو جاتی ہے تو وہ اپنی مضبوط قوتِ ارادی سے اپنے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن[57]

قوتِ یقین

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک:

غریب گرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق   علاج ضعف یقین اس سے ہو نہیں سکتا[58]

علامہ اقبالؒ ضعف یقین جو ضعف کردار کا سبب ہے اس کا حل چاہتے ہیں۔ شک و ارتہاب میں الجھ کر بے ربطی کردار پیدا ہوتی ہے۔ وہ نکتہ ہائے دقیق، باریک، عمیق، عجیب کارد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

علم از کتب، دین از نظر   ذریعہ حصول یقین[59]

علم کا حصول آپ کے ہاں منزل یقین ہے۔ مئے یقین کا ثمر، عظیم سوز و گداز کی نعمت کبریٰ ہے۔ بے یقینی اور شک و ارتہاب زندگی کی کتاب کو ورق ورق کر دیتی ہے۔ استحکامِ کردار، یقین محکم کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

قوتِ عمل

تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!   ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے[60]

تن آسانی اور مسلمانی دو چیزوں کا جمع ہونا محال قرار دیتے ہیں۔ آپ کا شاہین ہو یا مرد کامل، نمونہ عمل مسلسل ہے۔ عمل جنت اور دوزخ سے وابستہ ہو تو فکر غیروں کے دستر خواں سے طلب کرتے ہیں۔ عمل بے غرض اور بے ہوس نفس ہو تو ورضوان من اللہ اکبر خدا کی رضا مقصد اعلیٰ قرار پاتی ہے۔

خودی کے تربیتی مراحل

علامہ اقبالؒ کے نزدیک کردار کی نشوونما کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اقبالؒ ہمیں اس امر سے بھی آگاہ کرتے ہیں کہ خودی کے خصائص واوصاف کا اکتساب کس طور سے کیا جاسکتا ہے۔ خودی میں وہ تربیت خودی کے تین مراحل اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی کا ذکر کرتے ہیں نیز ان کے ہاں عشق، عقل وخرد، عمل وحرکت اور فقر خود کو یکجا مستحکم کر دینے والے عوامل ہیں جو انسان کی صلاحیتوں اور امکانات کو عملی صورت میں بدل دیتے ہیں۔

رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز   نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو[61]

سختی، کرختی، تلخی، شدت اور جدت فطرتِ ثانیہ بن چکی ہیں اور پھر بھی ہم خیر کے طالب ہیں۔ یہ طرزِ زندگی بدل کر ہی ہم اپنے کرداروں کو بدل سکتے ہیں۔ اور اپنے مقاصد میں کامیابیاں حاصل کرسکتے ہی سکتے ہیں۔

ضبط نفس

دوسرا مرحلہ ضبط نفس کو قرار دیتے ہیں۔ اس سے مراد تجرید، ترک دنیا اور رہبانیت نہیں بلکہ ضبط نفس یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا حاکم ہو محکوم نہ ہو۔

مرد شود آور زمام او بکف　　　　تا شوی گوہر اگر باشی خزف[62]

اقبالؒ کہتے ہیں کہ مسلمان اگر کائنات کو مسخر کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیئے کہ پہلے اپنے نفس کو مسخر کریں، یعنی نفس کے طبعی رجحانات و میلانات کو قابو میں لانا اور اس کو تزکیہ پر آمادہ کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔

نفس تو مثل شتر خود پرواست　　　　خود پرست و خود سوار و خود سر است

مرد شو آور زمام او بکف　　　　تا شوری گوہر اگر باشی خزف [63]

آپؒ کے نزدیک اگر نفس کی بیماریوں کو قابو میں رکھ لیا جائے تو انسان کے اندر گوہر بننے کی طاقت بھی رکھی گئی ہے۔

خودی کے تکمیلی عوامل

محبت والفت

اقبالؒ کے نزدیک تکمیلِ کردار کے بنیادی عناصر میں محبت و الفت بھی ایک اہم عنصر ہے۔آپؒ فرماتے ہیں:

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوع انسان کو　　　　اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا[64]

عشق

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم　　　　عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوز دمبدم[65]

اقبالؒ کے خیال میں عشق ایک حرکی اور منظّم قوت کا نام ہے جو اس کی صلاحیتوں کو روبہ عمل لاتی ہے۔

عقل وخیالات

مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق　　　　عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں عشق[66]

عقل بھی ایک ایسا عامل ہے جو انسانی کردار کی نشو ونما کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبالؒ عقل کو نور قرار دیتے ہیں جو شاہراہ حقیقت کو منور کرتی ہے۔ انسان کو مقاصد و اہداف کے ذریعے زندگی کی حرکت کو متعین کرنا سکھاتی ہے۔

اور تشکیل کردار علامہ اقبالؒ کے نزدیک حیاء و غیرت انسانی کردار کی تشکیل میں بنیادی جزء ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہاں تگ و دو میں　　　　پہناتی ہے درویش کو تاج سر دار [67]

غیرت، حمیت، حیاء اک قدر عظیم اور ایک خلق نفیس ہے۔ مرد کامل کا اوڑھنا بچھونا حمیت و غیرت ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک جب انسان مضبوط قوتِ ارادی سے سچائی اور بہادری کے راستے اپنا لیتے ہیں تو ان کے دل ہر خوف و خطرے سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ہر فریب، مکاری، دھوکہ دہی وغیرہ سے خود کو دور رکھتے ہیں۔

نتیجۂ بحث

علامہ اقبالؒ کے ہاں انسانی کردار دو پہلو رکھتا ہے ایک مادی اور دوسرا روحانی۔ انسانی کردار کا روحانی پہلو ہی نفس یا کردار ہے جسے خودی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اقبالؒ کے خیال میں تمام کردار ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ان کی صلاحیت اور قویٰ میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ جس طرح یہ قویٰ مختلف کردار کا منفرد اظہار ہوتے ہیں اسی طرح کردار کے درجات و مراتب بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ اقبالؒ کردار سازی کے لئے علم، خودی (قوتِ ادراک، قوتِ خیالات، قوتِ یقین، قوتِ ارادی، برابری و مساوات، شعور و حسیات، خواہشات، عقل اور عملِ مسلسل وغیرہ) کے حصول کو بنیاد قرار دیتے ہیں۔ یعنی خودی لحہ بالحہ ارتقاء کی منازل طے کرتی رہتی ہے اقبال کی رائے میں غیر قانونیت ہر خودی کا مقدر نہیں بلکہ بقائے دوام کا اکتساب نیک اعمال اور خود افروزیت کے ذریعہ سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر بقائے دوام کا حصول جہد مسلسل ہی پر موقوف ہے۔ نصیر الدین طوسیؒ نے کردار سازی کے لئے قوتِ ارادی، ہدایات و تربیت، طبعی صلاحیتوں میں توازن، قوتِ ادراک اور نیک عوامل کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس مسلم روایت میں امام غزالیؒ واحد ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے پانچویں صدی میں اپنی مایہ ناز تصنیف " احیاء العلوم " میں کردار سازی کا جو طریقہ اپنایا ہے اس کی نظیر موجودہ دور میں بھی نہیں ملتی ہے۔ آپؒ نے انسانی کردار کے کسی بھی گوشے کو نظر انداز نہیں کیا۔ آپؒ نے کردارِ انسانی کے لئے معرفتِ نفس، معرفتِ اعمال، محرکات، ادراک، قوتیں، سوچیں، خیالات روّیے، تاثرات و انفعالات، ماحول، معاشرے، موروثی عوامل، محبت، امید، خوف وغیرہ جیسے ہر پہلو کو ہم آہنگ کرکے پیش کیا ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی،شرح السنتہ للبغوی، ج7 کتاب الفضائل، باب فضائل سید الاولین و لا خرین (ندارد، دار الکتب العلمیہ،1424ھ) ،رقم الحدیث 3516۔

2۔ محمد بن عیسیٰ،جامع الترمذی، ج4، (ندارد، مکتبہ دارالسلام، 2007ء) ،رقم الحدیث 102،2018۔

3۔ایضاً، حدیث630۔

4۔ محمد بن عیسیٰ،جامع الترمذی، ج4 (ندارد، مکتبہ دارالسلام، 2007ء) ،رقم الحدیث 2002-92۔

5۔ سید، علی ہجویری، کشف المحجوب، ج4 (تہران، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، 1978ء) ،97-

6 .Fazal ul Rehman ,Dr.Avicenna's psychology, (Oxford University Press, London ,1952),vol 1, 480ff-10-

7۔أبو عبد اللہ محمد فخر الدین، الرازی، *کتاب النفس والروح وشرح قواھما* (اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، 1968ء)، 3۔

8۔شاہ ولی اللہ، *حجتہ اللہ البالغہ*، ج1 (لاہور، قومی کتب خانہ، 1983ء)، 31-32۔

9۔سید محمد بن محمد حسینی، زبیدی، *اتحاف السادۃ المتقین*، ج1 (شہر ندارد، دار الکتب العلمیتہ، 1430ھ)، 9۔

10۔ ایضاً، ج1، 14۔

11۔امام، الغزالی، *احیاء علوم الدین*، ج3 (کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، ندارد)، 151، 152۔

12۔ایضاً، 161-162۔

13۔ایضاً، 163-164۔

14۔ ایضاً، 183۔

15۔ایضاً، 164۔

16۔ایضاً، 166۔

17۔ایضاً، 167۔

18۔ایضاً، 35۔

19۔ ایضاً، 80-81۔

20۔ ایضاً، 39، 40۔

21۔ایضاً، 14، 15۔

22۔ایضاً، *احیاء علوم الدین*، ج4، 289، 291۔

23۔امام محمد، الغزالی، *المیزان عمل* (بیروت، المکتبہ العلمیہ، 1398ھ)، 233۔

24۔ ایضاً، 235۔

25۔ ایضاً، 238، 236۔

26۔الغزالی، *احیاء علوم الدین*، ج1، 118-127۔

27۔ ایضاً، ج3، 222-227۔

28۔ ایضاً، ج4، 29-47۔

29۔ایضاً، ج1، 501-504۔

30۔ایضاً، ج3، 81۔

31۔الغزالی، *المیزان عمل*، 211۔

32۔ الغزالی،*احیاءعلوم الدین*، ج3، 15۔

33۔امام محمد، الغزالی،*کیمیائے سعادت* (تہران، علمی وفرہنگی مکتبہ،1318ھ) ،50-52۔

34۔ایضاً، 66-67۔

35۔ایضاً،112-113۔

36۔الغزالی،*احیاءعلوم الدین*، ج3، 207-208۔

37 . http://www.iep.utm.edu/tusi/

38۔خواجہ نصیرالدین، طوسی،*اخلاقِ ناصری*، (ندارد، انتشراط علمیہ اسلامیہ، ندارد) ،64-69۔

39۔ایضاً، 71-74۔

40۔ایضاً،57-79۔

41۔ایضاً، 91-92۔

42۔ایضاً، 95-97۔

43۔ایضاً،131-136۔

44۔فقیر سید وحیدالدین،*روزگارِ فقیر*، ج1(لاہور،آتش فشاں پبلیشرز، 1988ء) ،237۔

45۔ایضاً، 238۔

46۔علامہ،ڈاکٹر محمد اقبال، *اسرار و رموز* (لاہور، اقبال اکادمی پاکستان،2002ء) ،59۔

47۔علامہ،ڈاکٹر محمد اقبال، *ضربِ کلیمؑ*،(لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 2002ء) ،621۔

48۔علامہ، ڈاکٹر محمد اقبال، *بانگِ درا* (لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، 2002ء) ،623۔

49۔علامہ، ڈاکٹر محمد اقبال، *بالِ جبریل*،(لاہور، تاج کمپنی، 1935ء) ،92۔

50۔ محمد اقبال،*ضربِ کلیم* ،112۔

51۔ایضاً، 522۔

52۔علامہ ڈاکٹر محمد اقبال،*ارمغانِ حجازی* (لاہور، اقبال کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، سن ندارد) ،248۔

53۔ محمد اقبال،*اسرار و رموز* ،100۔

54۔ محمد اقبال، *ارمغانِ حجاز*،247۔

55۔ایضاً۔

56۔ محمد اقبال، *ضربِ کلیم*، 70۔

57۔ایضاً، 41۔

58۔ایضاً، 42۔

59۔ایضاً، 44۔

60۔ایضاً، 238۔

61۔ایضاً، *بالِ جبریل*، 132۔

62۔ایضاً، *مثنوی اسرار ورموز*، 41۔

63۔ایضاً، 46۔

64۔ایضاً، *بانگ درا*، 307۔

65۔ ایضاً، *بالِ جبریل*، 32۔

66۔ایضاً، 93۔

67۔ایضاً، *ارمغانِ حجازی*، 229۔

Bibliography

Abu Dawood, Sulaymān ibn al-Ash'ath, Sunan Abi Dāwūd, vol. 5. Maktba Dar al-Islam, 2008.

Al-Ghazali, Imam. Kimiya-ye Saā'dat. Tehran: Ilmi wa Farhangi Maktba, 1318AD.

_____. Al-Hikmah fi Makhlūqatillah. Cairo: Maktbah al-Feel, nd.

_____. Al-Mīzān al-Amal. Beirut: Al- Maktba al-Ilmiyyah, nd.

_____. Iḥyā' Ulūm al-Dīn, vol. 3. Quetta: Maktba Rashidiyyah, nd.

al-Rahman, Fazal. Avicenna's Psychology, vol. 1. London: Oxford University Press, 1952.

Al-Razi, Abu Abdullah Mohammad Fakhr al-Din. Kitab al-Nafs wa al-Rūh wa Sharh Qawahuma. Islambad: Idarah Tahqiqāt-e Islami, 1968.

Baghvi, Imam Abu Muhammad Hussain b. Masoud. Sharah Alsinah Li Baghvi, vol. 7. Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, 1428AH.

Faqīr, Sayyid Wahid al-Din. Rozgar-e Faqeīr, vol. 1. Lahore: Aatishfishān Publisher, 1981.

Hajveri, Sayyid Ali. Kashf al-Mahjūb, vol. 4. Tehran: Markaz-e Tahqiqāt-e Farsi Iran wa Pakistan, 1978.

Iqbal, Allama Mohammad. Asrār wa Ramūz. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2002.

_____. Bang-e Dara. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2002.

_____. Zarb-e-Kaleem. Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2002.

_____. Bal-e Jibrīl. Lahore: Taj Company, 1935.

_____. Armughan-e Hijazi. Lahore: Iqbal Kapur Art Printing Works, nd.
Mohammad b. Isa. Jame' al-Tirmizi, vol. 4. Maktba Dar al-Islam, 2007.
Mohuddin Novi. Riaz al-Saliheen , vol 1, Al Maktab Al-Islami 1992.
Tusi, Khawaja Nasir al-Din. Akhlāq-e Nasiri. Intashrat Ilmia Islamia, nd.
Waliullah, Shah. Hujjah al- Baligha, vol. 1. Lahore: Qumi Kutub Khana, 1983.
Zubaidi, Sayyid Mohammad b. Mohammad Husyni, Ittihāf al-Sāda al-Muttaqīn, vol. 1. Dar al-Kutab al-Ilmiyyah, 1430AH.